تنزیل و تاویل

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

(۲)

از جناب مولانا طاہر بن احمد صاحب (دار العلوم دیوبند)

۱۳۔ اور یہ تو ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے ملائکہ کی بے شمار جماعتیں مقرر ہیں جو ملکیت و بہیمیت کے ہر اسٹیشن پر اپنی چھاؤنی ڈالے ہوئے انسان کی حفاظت کرتی ہیں۔ مسلمان اپنی دعا میں ان کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔

۱۴۔ اور دو فرشتے تو انسان کے لیے مستقلاً دائماً کراماً کاتبین ایسے امور ہیں جو اس کے تمام اعمال کو لکھتے ہیں پس نعبد و نستعین سے اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بندۂ مومن اس معنی کر بھی اپنے کو اکیلا نہ سمجھے بلکہ ان ملائکہ کی طرف سے بھی جن کا مقام عبادت زمین کے بجائے آسمان ہے ان کی طرف سے وکیل بن کر کہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔

۱۵۔ نیز حسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم المرء مع من احب جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے وہ بقاعدۂ الارواح جنود مجندۃ ایک ہی سلسلہ میں منسلک شمار ہوتا ہے پس مومن قانت ایسے تمام محب اور محبوب افراد کو بھی شامل کر کے کہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔

پھر جب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان کے ہر جزو کل سے حتیٰ کہ اس کے ہر بن مو سے نعبد و نستعین کی یہی مقدس دعا و ندا بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتی رہتی ہے اور جو

اقرار ربوبیت ازل میں کیا گیا تھا یہ عمر مستعار اسی کے اعادہ وتکرار میں ختم کرنے کے لیے دی گئی
ہے جیسا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ سے ظاہر ہے اور اس اسلوب جمعیت
سے جسم و روح کے جملہ لوازمات و متعلقات کا استحضار مطلوب الٰہی ہے تو یقیناً اس کے تمام
اجزا نامیہ کا جن پر دعائے مسلم کا ہمہ وقت نزول رہتا ہے مقصود صراط تک پہنچنا ایک
فطری امر ہوگا جس کی پہلی منزل دربار کعبہ ہے اور دوسری منزل عرش اعظم اور دربار آخرت
ہے۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۔ اور جب کہ
نعبد و نستعین و اہدنا میں اس قدر حیثیات ملحوظ باری تعالیٰ ہیں جن سب کا احاطہ بشری طاقت
سے باہر ہے اور صرف نَعْبُدُ اور نَسْتَعِيْنُ میں الف کے بجائے نون ۔ رکھدئے جانے سے
بلاغت و جامعیت کا وہ مرتبۂ لطیف و اعلیٰ پیدا ہوگیا ہے جس کے بیان پر بشر کو پوری
قوت و قدرت بھی نہیں ہے ۔ تو اگر ہم اس عموم اعجاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس اسلوب جمعیت
کو دیگر مقامات قرآن کی مدد سے اس طرح تعبیر کریں کہ جہاں کہیں یہ اسلوب اختیار کیا جاتا
ہے وہاں ذات مع صفات مراد ہوا کرتی ہے تو غالباً یہ وجہ لطیف بھی درجۂ بداعت کو پہنچے بغیر
نہ رہے گی ۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ انسان خدا کا نائب اور خلیفہ ہے جو جو صفتیں خدا میں ذاتی
اور اصلی ہیں وہی انسان میں اس کی عطا کردہ ظلی اور مستعار ہیں اور جیسے خدا کی حکومت و
ربوبیت میں ہزاروں مستقل عالم ہیں گویا ہر صفت کا ایک جدا عالم ہے اور ذات واجب
تعالیٰ سب کو محیط اور جامع ہے اسی طرح انسان میں بھی ایک ایک صفت کا ظہور گویا ایک مستقل
عالم سمجھنا چاہیے ۔ پس اس لحاظ سے بھی مومن قانت کو اِهْدِنَا اور نَعْبُدُ اور نَسْتَعِيْنُ کے
صیغوں سے استدعا اور عرض حال کا حکم دیا گیا ہے یعنی جس طرح خدا و ندرب العالمین جب

اپنے کو جمع کے صیغوں سے ظاہر فرماتا ہے تو وہاں ذات واجب تعالیٰ کو مع صفات کے ظاہر
کرنا مطلوب ہوتا ہے' اسی طرح انسان کو بھی خدا نے اپنی بارگاہ میں استدعا پیش کرتے وقت
یہ ہدایت فرمائی ہے اور ایسے جملے انسان کے لیے تجویز فرمائے ہیں جن میں نہ صرف انسان
کی ذات ہی مراد ہو بلکہ اس کی ذات مع صفات کے مراد ہوا کرے۔

حضرات اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ آیت الکرسی میں خدا نے اپنی چار اعلیٰ صفتوں
یعنی علم حیات قیومیت اور قدرت کا ذکر فرمایا ہے اور تمام عالموں کے قیام و بقا میں یہی
چار صفتیں اصل الاصل ہیں اور باہمدگر اسی طرح مربوط و مانوس ہیں جیسے کرسی کے چاروں
پائے ایک دوسرے سے مربوط ہوا کرتے ہیں اور ان چاروں صفتوں میں کچھ ایسا مخصوص ربط
اور ارتباط اور علاقہ ہے کہ بلا تشبیہ ایک صفت دوسری صفت کا رنگ اختیار کرتی ہے)
تو دوسری صفت تیسری صفت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ
وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ میں نہ صرف صفت علم ہی اس عالم میں قرآن کی مربی و محافظ ہے
بلکہ صفت قدرت و قیام اور صفت حیات بھی حفاظت میں مساوی رنگ اختیار کئے ہوئے
ہیں۔ بہرحال انہی صفتوں کا ظہور ہے جو انسان و حیوان اور کل مخلوق کے انواع و افراد
درجہ بدرجہ زندہ و قائم اور عالم و قادر نظر آتے ہیں پس کلام پاک میں جہاں جہاں ان صفات
جلیلہ کی کارفرمائیوں کا ذکر ہے وہاں اکثر و بیشتر حق تعالیٰ نے اپنے کو جمع ہی کے صیغوں اور
ضمیروں سے تعبیر فرمایا ہے جس سے نہ صرف ذات واجب تعالیٰ کی طرف اشارہ منظور ہوتا ہے
بلکہ ذات واجب تعالیٰ مع صفات کے مراد ہوا کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ نظریہ تسلیم نہ کیا جائے تو
پھر جن مقامات میں خدا نے اپنے کو واحد متکلم کے صیغوں سے یا ضمیروں سے تعبیر فرمایا ہے جیسے
اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ، وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اور اِنِّیْ مَعَکُمْ

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ الخ تو یہ دونوں قسم کی تعبیرات خالی از حکمت ہو جائینگی۔ حالانکہ کلام حکیم فعل حکیم کیطرح کبھی خالی از حکمت نہیں ہو سکتا اور بلا شبہ کلام حکیم کا ایک ایک نقطہ اور اس کا ایک ایک شوشہ بھی بلاغت و منفعت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کہا جائے کہ جہاں خدا نے اپنے کو جمع کے صیغوں سے تعبیر فرمایا ہے وہاں اس کو محض اپنی تعظیم کا اظہار مقصود ہے تو اس قسم کی تعظیم کا اسلوب بھی خدا کے لیے قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدا وحدہٗ لا شریک ہے۔ اگر اس قسم کی تعبیر سے تعظیم کا ارادہ فرماتا تو وہاں فرماتا جہاں اس نے اپنے اسم ذات کو ذکر فرمایا ہے چنانچہ اسی نظریہ کے موجب اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ کے بجائے اِنَّنَا نَحْنُ اللّٰہُ ہونا چاہیے تھا حالانکہ انا کی ضمیر ہی یہاں زینت کلام کی موجب ہے۔ اور اس قسم کی جملہ تعبیرات سے خداوند قدوس وحید منزہ و مبرا ہے معلوم ہوا کہ جہاں جمع کے صیغوں سے خدا نے اپنے کو تعبیر فرمایا ہے وہاں تو اس نے اپنی ذات پاک کو معہ اپنی صفات متعددہ کے مراد لیا ہے اور جہاں واحد کی ضمیروں یا صیغوں سے اس نے اپنے کو تعبیر فرمایا ہے۔ وہاں صرف مرتبۂ ذات ہی کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ پھر حمید و مجید اور غنیٌّ عن العالمین کو ایسی تعبیروں کی جن سے محض تعظیم کا اظہار ہو ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ خود وہ حمید و مجید ہے۔ البتہ اس نے جہاں اپنی عظمت و کبریائی کا اظہار فرمایا ہے وہ محض بندوں کی آگاہی کے لیے فرمایا ہے جب دنیا کے صاحبان کمال اپنے کمال کو چھپانے کی سعی کیا کرتے ہیں اور جو اظہار بھی کرتے ہیں تو محض نفع رسانی کے لئے تو خدا تو سرچشمہ کمالات ہے اور بہت سے کمالات تو صرف اسی کے لیے مختص ہیں پھر وہ کیسے اس کو گوارا فرما سکتا ہے۔ ہاں اس نے اپنی عظمت و شان کو جہاں بیان کیا ہے تو اس کا اسلوب اکثر و بیشتر یہ ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ ۔ اور هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۔ باقی جیسے ہم اور آپ اپنے لیے جمع کے صیغوں کو بول کر اپنی بڑائی کا اظہار کیا کرتے ہیں مالک الملک کو اس قسم کی تعبیرات کی حاجت نہیں ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی تعبیرات پر خدائی تعبیرات کو قیاس نہیں کرنا چاہیے خدا نے جہاں اپنے کو جمع کے صیغوں سے ظاہر فرمایا ہے ۔ وہاں اس نے اپنی ذات پاک کو معہ اپنی صفات جلیلہ کے مراد لیا ہے لیکن اگر یہ مراد نہ لی جاوے تو پھر اسلوب جمع متکلم سے مخالفین و سفہاء سرے سے خدا کی وحدانیت ہی کا انکار ثابت کرنے لگیں گے اور کہیں گے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ مارنے والا خدا جدا ہے اور جلانے والا جدا ہے اور بارش برسانے والا خدا جدا ہے وہ بالکل صحیح ہے پس ایسے جملہ مواقع قرآنیہ میں ذات واجب تعالیٰ معہ لحاظ صفات کمالیہ ہی مراد ہوا کرتی ہے اور یہی اسلوب وقتِ عبادت بندۂ مومن کو بھی نعبد و نستعین سے سکھلایا گیا ہے تاکہ وقت دعا و استدعا انسان کی ذات معہ صفات اربعہ کے مراد ہو تاکہ خدا کی طرف سے بھی جواب میں جو رحمت و برکت دربار آلہی سے آئے وہ خدا کی ذات اور اس کی صفات دونوں کی طرف سے آئے چنانچہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ۔ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے دیکھیے انسان کی خلقت علم و حیات و قیام و قدرت کی کرشمہ سازیوں سے عمل میں آئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لَقَدْ خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ سے نہیں بلکہ خَلَقْنَا سے تعبیر فرمایا ہے اور جہاں بندہ کی جسم و روح کو اپنی تجلیات علم و حیات و قیام و قدرت کا مظہر اکمل ظاہر فرمایا تو وہاں بھی نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ فرمایا اَنَا اَقْرَبُ اِلَیْهِ نہ فرمایا ۔ اور اس اسلوب جمعیت سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ انسان کی ساخت اگر صفات اربعہ کی رہین منت ہے تو اس کا قیام و بقا بھی

انہیں کا رہین منت ہے۔

ایک حکمت نعبد و نستعین میں یہ بھی ہے کہ انسان کے دل سے یہ شبہہ بھی مٹ جائے کہ خدا نے جہاں جمع کے صیغوں سے اپنے کو ظاہر فرمایا ہے تو اس سے وہ اپنی وحدانیت کا انکار کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد خود بندہ کو بھی اپنی وحدت کے متعلق جواب سوچنا ایک قدرتی امر ہوگا۔ اب ہم اس اسلوب جمعیت کو کلام پاک کی بکثرت آیتوں میں سے بطور نمونہ چند آیتوں سے دکھلانا چاہتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ خداوند علام الغیوب باوجودیکہ بے چون و بے ہمتا ہے مگر جہاں اس کو اپنی ذات پاک کا مع صفات اربعۂ متعددہ کے اظہار مقصود ہوتا ہے جن کی حکومت و سیادت واسطہ و بلا واسطہ عناصر اربعہ اور ان کے مجموعہ ہائے مختلفہ پر فائض و مشتمل ہے اور جو صفات اربعہ بقیہ صفات خداوندی کے لیے نمایندگی میں وہی مرتبۂ خلافت رکھتی ہیں جو چار فرشتے بقیہ فرشتوں پر رکھتے ہیں یا عناصر اربعہ کو تمام عنصری مخلوق پر حاصل ہے یا مثلاً جیسے خلفاء اربعہ کو تمام صحابہ پر کرامت و فوقیت حاصل ہے یا جو مرتبہ وزراء سلطنت کو حکام سلطنت سے ہوتا ہے تو ایسے تمام مقامات میں خدا نے اپنے کو جمع ہی کے صیغوں یا ضمیروں سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ کلام پاک میں خود کلام پاک کے متعلق ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس کا ترجمہ بھی حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رح نے بہت ہی عجیب و لطیف فرمایا ہے یعنی ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔ یہاں حفاظت ذکر حکیم کے لیے واحد کا صیغہ بھی لایا جا سکتا تھا لیکن حفاظت و صیانت اور اس قسم کے جملہ امور چونکہ صفات خداوندی ہی سے متعلق ہیں اور مرتبۂ ذات بہت اعلیٰ مرتبہ ہے، اس لیے اس قسم کے جملہ مواقع میں جن کا تعلق اس عالم کے کاروبار سے ہوتا ہے جمع ہی کے صیغوں سے تعبیر ہوتی ہے ۔۲ اسی لیے آیۃ مذکورۃ الصدر میں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ ہی اس

نصیحت و نور کو عرش سے اتارا ہے اور ہم آپ ہی اس کی نگہبانی اس عالم میں کرنے والے ہیں یعنی جس طرح عناصر اربعہ کل اجسام کی تربیت مساوی حیثیت سے کرتے ہیں اور بغیر ان کے سلسلۂ اجسام کا قیام و بقاء ناممکن ہے اسی طرح نہ صرف صفت علم ہی قرآن کی مربی و محافظ ہے بلکہ صفت قدرت بھی ایک شوشہ کا تغیر اس کے لیے جائز نہیں رکھتی۔ نہ صرف صفت قیام ہی سے اس اساس دین قیم کو عالم میں قائم و باقی رکھا جائے گا بلکہ صفت حیات کی کارفرمائیاں بھی بدرجۂ اتم روح قرآنی کی محافظ بن کر سامان حیات کو عالم میں زیادہ کریں گی اور جس طرح خدا کی تجلیات اربعہ علم و حیات قیام و قدرت نے کعبہ مقدس کو عالم میں امن و جنگ کا مدار ٹھیرا دیا ہے چنانچہ یہی بیت عتیق ایک طرف اگر عالم کے لیے قیاماً للناس ہے تو دوسری طرف یہی مقدس جلوہ گاہ سبحانی اور دربار ارضی، ظالموں اور سرکشوں کی گردنیں بھی توڑ ڈالنے والا ہے اسی طرح ان تجلیات اربعہ کا مجموعہ اور شئون ذاتیہ کا مخزن قرآن کریم ہے جو قلوب مومنین کے لیے باعث ہدایت اور کافروں کے لیے باعث ضلالت ہے اور جس کو اس کے نازل فرمانے والے کی طرف سے راسخین فی العلم کے سینوں میں محفوظ کرا دیا گیا ہے جہاں تک کسی بڑی سے بڑی حکومت و قوت کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔ یہی اسلوب جمعیت وہ ہے کہ جب تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم و اسمٰعیل سے حق تعالیٰ نے عہد لیا تو اس وقت بھی یہی اسلوب ملحوظ و مرعی رکھا گیا۔ کما قال تعالیٰ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور یہی اسلوب اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ میں بھی ہے۔ یہی انداز وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى میں بھی جاری ہے۔ علی ہذا۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا

إِنَّا أَعْطَيْنَا - إِنَّا جَعَلْنَاهَا۔ اور دوسرے تمام ایسے مقامات میں بھی یہی دستور جاری ہے
اور یہ اسلوب خاص ہم دنیا میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ بلا تشبیہ بلا تمثیل محض اس حقیقت
غامضہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے آپ ایسا ہی سمجھیں جیسے مثلاً حکومتِ وقت میں یہ دستور رائج
ہے کہ جو حکم وائسرائے ہند اپنے اختیارات خاص سے جاری کرتا ہے تو ایسے احکام و اختیارات
تیزی کے متعلق تو فرامین سلطنت میں لکھا جاتا ہے کہ ما بدولت نے فلاں حکم اپنے اختیارات خاص
سے نافذ کیا ہے یا مثلاً فلاں چیز کو ممنوع قرار دیا ہے اور جو حکم معمولاً بمشورہ کونسل و ارکان خاص
جاری کیا جاتا ہے تو اس کے متعلق اسی شخص واحد کی طرف سے یہ تعبیر ہوتی ہے کہ گورنر جنرل نے
باجلاس کونسل فلاں حکم جاری کیا ہے اور گورنر جنرل باجلاس کونسل فلاں فلاں امور کو ممنوع
قرار دیتے ہیں۔ گویا اس تعبیر سے فرمانروائے ہند کو اپنی ذات خاص کا معہ اپنے وزرار خاص
کے استحضار کے اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اسلوب فطری در حقیقت
فانی حکومتوں نے خدا کی حکومت ہی سے سیکھا ہے جس کو خدا نے ابتدائے آفرینش سے اپنے لیے
ملحوظ رکھا ہے اور بندے کو ایما فرمایا کہ جب بھی وہ بجانب رب العرش العظیم دست بستہ کھڑا
ہو کر اپنی معروضات اور حاجتیں پیش کیا کرے تو محض اپنی ذات خاص سے نکیا کرے بلکہ اسی
اسلوب عظیم کے موافق اپنے وزرا علم و حیات، قیام و قدرت سمیت بارگاہ الٰہی میں ملتجی
ہوا کرے تاکہ خدائی دربار سے بھی جس قدر رحمت و برکت کا نزول ہو وہ خدا کی ذات و صفات
دونوں کی طرف سے ہو اور اس جامع اسلوب کے اختیار کر لینے سے انسان کا کوئی دینی
یا دنیوی مفاد ایسا نہ باقی رہے جو نعبد و نستعین واحد نا کہ لینے سے ضائع ہو سکے یا تحت المرا
نہ آجائے اور رب السموٰت و رب الارض و رب العرش الکریم کی طرف سے بھی
بمقابلہ نعبد و نستعین واہدنا کے تین ہی قسم کی رحمتیں انسان کو مقصود اصلی تک پہنچا دیں۔

پس آخر میں اس قسم کی تمام تفاصیل کا خلاصہ صرف حرف نون تک جا کر منتہی ہو جاتا ہے کہ یہ سب درحقیقت الف کے بجائے نون رکھدیے جانے سے پیدا ہوی ہیں۔

لیکن اگر انسان اسپر غور کرنے لگے کہ دیگر مواضع قرآنی میں اس حرف سے کیا کیا حکمتیں مراد لی گئی ہیں، اور قرآن حکیم کے تمام حروف کے اندر کس قدر حکمتیں اور اسرار نہاں ہیں تو میرا ایمان ہے کہ انسان کی عمر ختم ہو جائے گی مگر وہ ایک حرف کے بھی پورے اسرار اور اس کی کنہ کو معلوم نہ کرسکے گا۔ ؎

منزل تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

مرأة المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پہ مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جنکی مدد سے آپ حسب منشاء جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے۔ غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانیکے لئے ایسی سہولت مہیا کردی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب پر عبور حاصل کرسکتا ہے۔

کاغذ کتابت طباعت بہترین جلد نہایت اعلی قیمت عکہ انگریزی لعہ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے